

”آج میں بھی عام انسانوں کی طرح تھی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کبھی بھی اپاچ نہ تھی“ کہیں دور تاریکی میں پاسکل کی آواز گونجی اور ایک چھٹا کے سے سنان کے خوابیدہ ذہن کے پردوں سے آنکھ رائی۔ پھر تاریکی چھٹنے لگی۔ دور پاسکل کا حسین چڑہ دکھائی دیا جو لختہ بہ لختہ سنان کے قریب تر ہوتا گیا اور پھر آہستگی سے اس کی بند آنکھوں میں اتر گیا۔

پاسکل کے لبوں پر مردی چھائی ہوئی تھی اور اس کی گھری نیلی آنکھیں سنان پر جمی تھیں وہ ایک سفید ریشمی لباس میں ملبوس تھی۔ بازوؤں کو کمان کی صورت میں اور پہ اٹھائے ایک ناگ کو بلکا سافٹ دیے وہ ایک نازک اندام بیلے رینا کی مانند ایک عظیم شیخ پر بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ بالکل ایک بے جان بت کی مانند۔ اس کے گرد سینکڑوں خوبصورت رقصاؤں میں گھیرا ڈالے کھڑی تھیں۔ ان کا لباس سیاہ تھا۔ جھیڑ کا وسیع ہال بالکل خالی پڑا تھا اور سنان سب سے اوپری گلبری میں ایک نشست کے سرے پر بیٹھا شیخ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ پاسکل نے ایک جھر جھری سی لی۔ جیسے کسی بھی ایک خواب سے بیدار ہو رہی ہو اور پھر سر جھکا کرنے پئے تھے تدمول کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ دوسری رقصاؤں کے ساکن پیکروں میں بھی حرکت ہوئی اور انہوں نے پاسکل کے چاروں طرف رقص کرنا شروع کر دیا۔ ان کے چڑے کسی ہم کے جذبات سے عاری تھے۔ بے جان حرکت کرتے ہوئے مردہ چڑے۔ ان سب کی سیکھی ہوئی آنکھیں پاسکل کا پیچھا کر رہی تھیں۔ رقصاؤں کے آہستگی سے ہوا میں اٹھے یاں لبادوں کے زیر و بم سے اس تمام منظر پر کالے راج ہنوں کی ایک جھیل کا گمان ہوا۔

نہ وہ اپنے لامبے بازو بلند کرتیں تو لبادے نفاس میں تیرتے اور پھر آہستہ آہستہ ان  
کے جسموں کے ساتھ آگلتے تھے۔

پاکل کی نیلی آنکھیں سنان پر جمی تھیں۔

”میں آج اپاچ نہیں ہوں— نہیں ہوں“ اس کی آواز شیخ کی عینی گمراہیوں  
سے ایک فریاد کی صورت میں ٹکلی۔ وہ بار بار یہی فقرہ دہرا رہی تھی ”میں آج اپاچ  
نہیں ہوں— نہیں ہوں“ وہ سنان کی جانب اداں نظریوں سے دیکھتی اور پھر ایک ماہر  
بیلے رہنا کی طرح اپنے پنجوں پر گھوم جاتی۔ ”میں آج— نہیں ہوں— نہیں ہوں“  
کی آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ اپنے بازو  
گلیری کی جانب بلند کیے اور پھر تیزی سے اپنے پنجوں پر گھومنا شروع کر دیا۔ اب وہ  
ایک چالی کی گڑیا کی ماہنہ اتنی بے تابی اور بے قراری سے رقص کر رہی تھی جیسے  
رک جانا اس کے بس میں نہ رہا ہو۔ باقی رقصاؤں کے انداز پسلے کی طرح آہستہ رو  
تھے۔ پاکل اب سنان کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے والہانہ رقص میں  
اس طرح مگن تھی جیسے کسی درویش پر وجد طاری ہو جائے تو وہ دنیا جہان سے بے خبر  
ہو جاتا ہے۔

”پاکل اتنی تیزی سے مت ناچو“ سنان اپنی نشست سے اٹھ کر گلی کو مغضوب طی  
سے تھامے اس سے اتنا کر رہا تھا ”تمہارا درود شدت اختیار کر جائے گا۔ تم مر جاؤ گی  
پاکل!“

”آج میں اپاچ نہیں ہوں۔ میں ضرور ناچوں گی“ پاکل کی آواز گوئی۔

”پاکل! پاکل!“ سنان خطرناک حد تک آگے جھکا ہوا پانگلوں کی طرح چیننے لگا۔  
”خدا کے لیے ناچتا بند کر دو۔“

لیکن پاکل تو اس کی آواز سن ہی نہیں رہی تھی۔

اب وہ تیزی سے پوری شیخ کا چکر لگاتے ہوئے پنجوں پر گھوم رہی تھی۔ ایک دو  
تمن اور گھوم جاؤ۔ ایک دو تمن۔ پھر اس کی رفتار ست پڑنے لگی۔ اس کی

آوازِ مدمم پڑتی گئی۔ ایک دم وہ شیخ کے درمیان ساکن کھڑی ہو گئی اس کی بائیں فضا میں بلند تھیں۔ ”سان پلیز میری مدد کرو“ ایک سکتی ہوئی آوازِ سان سک پہنچا۔ پاسکل کا آنسوؤں سے ترچہ زد پڑنے لگا۔ اس نے ایک جھر جھری سی لی اور ہر بڑھاں ہو کر فرش پر گر گئی۔ دوسری رقصاؤں نے اس کے گرد اپنا گھیرا جھک کر شروع کر دیا اور پھر جھک کر اپنی نرم و نازک بادیوں سے اس کا پورا جسم ڈھک دیا۔ راج نہ مرض کا تھا۔

سان کی آنکھ کھلی تو اس کا پورا جسم پینے سے شرابور تھا اور اس کا تجھیہ بھیجا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کھڑکی سے باہر پیرس کے گلی کوچوں میں ایک سیاہ اور اندر می رات اتری ہوئی تھی۔ اس نے بستر کی چادر کے ایک کونے سے اپنا چہرہ پوچھا۔ ”پیرس سے چلے جاؤ سان“ ایک آواز نے کہا۔

”مجھے ہر صورت اب پیرس سے چلے جانا چاہیے۔“ اس نے سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ جوں جوں دن گزرتے جائیں گے پاسکل اس کی رفاقت کی عادی ہوتی جائے گی اور پھر جداگانہ کا تصور اسے انہی عیتیق گھائیوں میں دھکیل دے گا جہاں سے وہ سمجھتی ہوئی صرف اس کے لیے باہر آئی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ کل پیرس میں اس کا آخری دن ہو گا اور وہ پاسکل سے آخری مرتبہ مل کر رات کی گاڑی سے غربالہ کے لیے روانہ ہو جائے گا۔

”دروازہ کھلا ہے“ سنان نے سفری رضاۓ میں سے منہ باہر نکال کر ترشی سے کما  
جانے کوں اتنی سوریے دروازہ پیٹے جا رہا تھا۔  
دروازے کا ہینڈل گھوما اور جینی اندر آگئی۔ اس نے ایک ٹرے اٹھا کر کی تھی۔  
”میں ابھی سو رہا تھا۔ آخر صبح صحیح یوں دروازے پر دستک دنا کماں کی  
شرافت ہے؟“

”صحیح؟“ جینی نے ٹرے میز پر رکھ دی اور منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی ”دوس نج  
رہے ہیں سنان!“  
سنان نے جلدی سے ٹپائی پر رکھی گھٹی اٹھا کر دیکھی۔ جینی ٹھیک کہہ رہی تھی۔  
”اوونہ مجھے تو۔“ وہ فوراً بستر سے باہر آگئیا ”کہیں جانا تھا“  
جینی اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔  
”اگر میں بوجھ لوں کہ تم نے کماں جانا ہے تو؟“  
”ہاں ہاں پاسکل سے ملنے جانا ہے۔“ اس نے تیزی سے کما اور اپنے سوت کیس  
میں سے کپڑے نکالنے لگا۔

”رات جانے تم کس وقت اپنے کرے میں واپس آئے۔ میرے کان  
تمارے قدموں کی آہٹ پر لگے رہے۔ شاید میں اوں گھمی تھی۔“  
سنان جواب دیئے بغیر کپڑے بدلنے لگا۔  
”ناشرت تو کرو“ جینی نے ٹرے آگے پڑھا دی ”تمہارا کافی کا ذہبہ بھی آج ختم ہو  
گیا ہے۔“

سنان نے سفید قیس کے ساتھ سلک کی سفید ہائی بانڈ می اور واپس پنک پر از  
پیٹھ گیا۔

بہت بہت شکریہ۔“

اس کا موڑ قدرے بحال ہو چکا تھا وہ دل ہی دل میں جینی کا شکرگزار تھا کہ اس  
لے اسے جگا دیا ورنہ جانے وہ کب تک سوتا رہتا۔

جینی نے نکسن لگا بین اور کافی کی پیالی اسے تمہاتے ہوئے پوچھا۔  
”پاسکل کیسی ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“

”کل سارا دن کمال گزارا؟“

”میں کے کنارے۔ بوئے ڈی بولون میں“

”آہا بوئے ڈی بولون۔ بے حد خوبصورت جگہ ہے میں وہاں ایک مرتبہ ایک  
پارٹی میں گئی تھی۔ ایک ہاؤس بوٹ میں۔“

”اور پھر وہاں“ وہ آتا کے جنگل ”کے والٹ کی دھن پر رقص بھی کیا تھا۔  
ہوں؟“ سنان نے کافی کی چسکی لگا کر پوچھا۔

”نہیں تو“ جینی حیران ہو کر بولی ”رقص کی پارٹی تھی۔ مرف۔ نہ  
چھوڑو۔“

”تمہارا دن کیسے گزارا؟“

”میں نیوزی لینڈ کے سفارت خانے میں اپنی درخواست کے بارے میں دریافت  
کرنے گئی تھی۔“

”پھر کیا نتیجہ نکلا؟“

”میری درخواست منظور ہو گئی ہے سنان۔ میں اگلے ماہ نیوزی لینڈ پہلی جاہل  
گی۔“

”واتھی؟— جینی یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ سنان نے مسکرا کر کہا۔

”مجھے وہاں ایک چھوٹے سے قبے کے ایک سکول میں فرانسیسی زبان پڑھانے کے لئے رکھ لیا گیا ہے۔ کونسلر کہہ رہا تھا کہ وہ قبہ جھیل واکا نیپو کے کنارے واقع ہے اور اس کا نام کوئین ٹاؤن ہے۔ قبہ کے نواح میں میلوں تک سر بزرج آگاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں وہاں پہلی فرانسیسی لڑکی ہوں گی۔ اس طرح وہاں کسی کو بھی معلوم نہ ہو گا کہ میں مااضی میں کسی پیشے سے تعلق رکھتی تھی۔“

”سب سے خود ہری بات تو یہی تھی نہ؟“

”ہاں بالکل“ جینی نے سر ہلاایا ”سان جمیں معلوم ہے کہ نیوزی لینڈ کی کل آبادی میں لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔“

”ہمارا لاہور اس سے بڑا ہوا پھر؟“

”کون سا لاہور؟“ جینی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”میرا سوہنਾ شہر لاہو نہیں“ سان نے لہک کر پنجابی میں کہا۔

”کیا کہتے ہو؟“ جینی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”پچھے نہیں“ سان سمجھدہ ہو گیا ”بہر حال جینی مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ اس نئی زندگی کے آغازنپر میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔“

”شکریہ۔۔۔ اور اسی خوشی میں میں نے آج رات پارٹی کا اہتمام کیا ہے“ جینی اس کے پاس آگر بیٹھ گئی ”میری ایک دو سیلیاں ہوں گی اور تم ہو گے۔۔۔ بس!“

”وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔۔۔“

”آج رات؟“ سان نے اپنی سفید ٹائی کی گردہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں ہاں آج رات۔۔۔ تقریباً نوبجے۔۔۔“ جینی صاف گھبرا کر کہا۔

”مجھے انہوں ہے کہ میں تمہاری پارٹی میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔۔۔“ سان نے

معذرت کی۔۔۔

”لیکن کیوں؟۔۔۔ میرا مطلب ہے“ وہ رک کر بولی ”تم چاہو تو پاسکل کو بھی

ساتھ لے سکتے ہو۔۔۔“

”پارٹی میں شامل نہ ہونے کی وجہ پاسکل نہیں ہے۔“

”تو پھر اور کیا ہے سنان۔“ تمہیں اب میرے ساتھ میں جوں رکھتے ہوئے  
شرم نہیں آتی چاہیے۔ میں اب ایک اچھی لڑکی ہوں۔ میرا پیشہ تو آج سے  
فرانسیسی کی معلمہ ہے سنان۔“

”تم مجھے نظر لگھ رہی ہو۔“ سنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔“ میں تمہاری پارٹی  
میں اس لیے شامل نہیں ہو سکتا کہ میں آج بیرون سے جا رہا ہوں۔ آج رات“  
”آج ہی رات“ سنان نے پھر کہا۔

”تم جا رہے ہو؟“ جینی نے بے یقینی سے پھر کہا۔  
”ہاں“

”پاسکل کو چھوڑ کر؟“

”میں اس بارے میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔“

جینی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگی۔

”تم کل چلے جانا سنان۔ آخراً ایک دن سے کیا فرق پڑ جائے گا؟“

”میں نے آج رات کے لئے اپنی نشت ریزرو کوالی ہے۔“ سنان نے پیچھا  
چھڑانے کی غرض سے کہہ دیا۔

”تمہاری گاڑی کتنے بجے رو انہ ہونی ہے؟“  
”دوس بجے۔“

”تو پھر نہیں ہے۔ میں اپنی سیلیوں کو کہہ دوں گی کہ وہ آٹھ بجے ہیں۔“  
جانیں اور پھر ہم سب تمہیں سازھے نوبجے کے قریب شیش پر چھوڑ آئیں گی۔  
اب انہا کی مجنماں نہ تھی۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“

”اوہ! تم کتنے اچھے ہو سنان۔“ جینی نے اپنے ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے  
اور منہ نزدیک لا کر بڑے پیار سے کہا۔

”میں بہت اچھا ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ تم۔“ نان نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رینچے کر دیے ”میں آٹھ بجے آ جاؤں گا۔ اب مریانی کر کے تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ میں نے تیار ہونا ہے۔ ناشتے کے لیے شکریہ“

”بہولنا نہیں۔ میں نے سب سیلیوں کو تمہارے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا ہے۔“ جینی نے پتاں سے خالی ٹرے اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر جاتے ہی نان نے اپنا نیلا کوٹ پہننا اور رینچے آگیا۔ آج میڈم ٹھی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ صدر دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ایک الجزاڑی قالین بیچے والے کے ساتھ ایک عامیانہ سے قالین کا بھاؤ ملے کر رہی تھی۔ نان کو دیکھتے ہی اس نے قالین والے کو چلتا کر دیا۔ ”کیا حال ہے؟ آج کل نظر نہیں آ رہے؟“

”میں آج رات سے بالکل نظر نہیں آؤں گا۔“

”کیوں کیا مکان پسند نہیں آیا۔ یا ہمسایوں سے کھٹ پٹ ہو گئی ہے؟“

”دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ میں آج رات ہسپانیہ جا رہا ہوں۔“

”آج رات؟ تو پھر وہ بقیہ وس فرائک بھی او اکرتے جاؤ۔ کرایہ پورے ہفتے کا

ٹلے پایا تھا!“

نان نے جیب سے بٹا نکالا اور وس فرائک کا ایک نوٹ میڈم ٹھی کے حوالے کر دیا۔ میڈم نے اٹ پٹ کر دیکھا اور پھر اپنے پہلے سے ہی ٹھے ہوئے بلاڈز میں ٹھوںس لیا۔ ”شکریہ موسیو!“

نان چلنے لگا تو میڈم نے آواز دی۔

”اور ہاں جانے سے پہلے میرے کمرے سے ہو کر جانا۔ ایک الوادی جام اکٹھے بھیں گے، ہوں؟“

نان نے مسکرا کر سر ہلا دیا اور باہر نکلی میں نکل آیا۔ گھری پر وقت دیکھا تو ساری ہے دس بجے رہے تھے۔ اس نے سوچا دیر تو ہو چکی ہے کیوں نہ ایک نظر اس مصور پال کو دیکھ لیا جائے۔ اس کا مکان وہاں سے نزدیک ہی تو تھا اور پھر اسے آج

میرس بھی تو چھوڑ دینا تھا۔ جب وہ قوہ خانہ پگال کے پاس سے گزرا تو اس نے اردا کیا کہ اندر جا کر دیکھ لے شاید پال وہیں بیٹھا ہو مگر پھر اسے خیال آیا کہ پال جیسا شخص گیانہ بیجے سے پیشتر بستر سے اٹھ جائے؟ ناممکن! اپنے کمرے میں ہی ہو گو چنانچہ سنان آگے بڑھ گیا۔

کیسا نیکرے کر کے سفید گندہ و ہوپ میں چمک رہے تھے اور ہیشہ کی طرح یہڑیوں پر بچوں، ہورتوں، سیاحوں اور مصوروں کا ہمگشتا تھا۔ وہ سکنی والا مصور آج بھی وہاں موجود تھا اور ایک موٹے جرمی سیاح کو اپنی تصویر خریدنے پر گلہہ کر رہا تھا۔ سنان یہڑیاں اتر کر ساتھ والی گلی میں ہڑ گیا جس کے آخری کونے پر پال کا مکان تھا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس کی حریت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جس جگہ اس نے اس روز پال کا مکان دیکھا تھا وہاں اب ایک وسیع کھنڈر تھا جس میں بے شمار بیچ کھیل رہے تھے۔ سنان اس کے پہلو میں واقع ایک گوشت کی دکان پر چلا گیا۔

”فرمائیے موسیو“ دکاندار نے اپنے سے ہاتھ پوچھ کر سکراتے ہوئے پوچھا۔

”آج میرے پاس آئرلینڈ کے فریہ گھوڑوں کا گوشت ہے۔“

”مجھے گوشت نہیں چاہیے۔“

”گھوڑے کا گوشت ہے موسیو۔“

”گھوڑے کا بھی نہیں چاہیے“ سنان نے جلدی سے کما ”وراصل یہ ساتھ والے مکان میں۔ جہاں یہ مکان ہوا کرتا تھا میرا ایک مصور دوست پال رہا کرتا تھا۔ وہ سکتا ہے آپ کو اس کے بارے میں کچھ علم ہو۔“

”پال۔۔۔ پال۔۔۔ آہا وہ واڑھی والا اور اس کی چپٹی سی ناک والی داشتہ؟“

”ہاں ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔“

”میں فرائک۔۔۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلوب یہ کہ انہوں نے مجھ سے پورے میں فرائک کا ادھار خریدا تھا اور پھر

ستاہ! بہر حال مجھے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ اس عمارت کو عرصہ دراز سے فیر محفوظ قرار دے کر وہاں کے اصل مکینوں کو نکال دیا گیا تھا اور اب وہاں صرف فلاش مصور اور چند آوارہ گرو رہتے تھے۔ پرسوں صحیح بلدیہ کے کارندے آدمیکے۔ ان پھاروں کا چھوٹا ماموٹا سامان باہر پھینک دیا اور ایک ہی روز میں ساری عمارت کو مسارکر دیا گیا۔ اب وہاں ایک پرمارکیٹ بنے گی۔“

”اس کا مطلب ہے آپ کو پال کا آئندہ پتہ معلوم نہیں؟“

”معلوم ہوتا تو اپنے بیس فرائیک وصول نہ کر لیتا“ دکان کے مالک نے فرج میں سے گھوڑے کا سر نکال کر اس کے گلوے کرنے شروع کر دیے۔ ”گھوڑے کا مغز بے حد لذیذ ہوتا ہے“ اس نے سر ہلا کر بتایا ”کبھی کھا کر دیکھتے“

”ہاں ضرور۔“ نان کو یوں محسوس ہوا جیسے گھوڑے کے لابے کاں ابھی تک مل رہے ہیں۔ ان میں جان ہو۔ وہ جلدی سے باہر آگیا۔ گلی کے کونے پر ایک ٹیکسی کمری تھی ”نہیں۔“ ٹرام پر چلا جائے۔ اس نے فیملہ کیا اور کلیسا سکرے کر کی جانب چل دیا جہاں ٹرام شیش تھا۔ قوہ خانہ پگال آیا تو نان نے سوچا ہو سکتا ہے قوہ خانے کے مالک کو پال کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ وہ اندر چلا گیا۔ چونکہ ابھی صحیح کا وقت تھا اس لیے وہاں زیارت لوگ نہ تھے۔ ایک کونے میں چند پریشان حال اشخاص بڑے زور شور سے کسی موضوع پر گرا گرم بحث کر رہے تھے۔ پال کی آواز ان سب میں سے بلند تھی۔

پال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نان کی طرف ایسے دیکھا جیسے بچان نہ پایا ہو اور پھر کرسی سے اٹھ کر رہا ہوا۔ ”ہیلو میرے پاکستانی دوست۔ ادھر آجاو۔“ اس نے واڑھی پر باتھ پھیرتے ہوئے نکلا۔

پال کے ساتھ اس کے مصور دوست بر اجہان تھے۔ ان میں سے کچھ تو کئی برسوں سے مسماں میں مقیم تھے اور اس قوہ خانے کے مستقل گاؤں یا مستقل بیٹھنے والوں

میں سے تھے اور چند ایک نوادرت تھے جو ان تجربہ کار بزرگوں کے ساتھ مصوری کی بھی قدروں کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ پال نے سب کا تعارف کروایا۔

”کیا پیو گے؟“ اس نے تعارف کے بعد پوچھا اور پھر خود ہی فس کرنے والے ”ویسے ہم لوگ تو کچھ نہیں پیا رہے۔“

میز پر غالی خولی بحث ہی ہو رہی تھی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تمی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں بیٹھے تمام حضرات کی جیسیں غالی تھیں۔

”میں تو کافی پیوں گا۔“

”کافی؟“ پال کے اوسان خطاب ہو گئے۔

”ہاں کافی۔“ مگر مل میں ادا کروں گا۔ آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے؟“ سنان نے دعوت دی۔

وہاں بیٹھے ہوئے تمام حضرات سنان کے بے حد مخلوق ہوئے اور اپنی اپنی پسند فوراً پتا دی۔ کافی۔ کوکا۔ پرنو۔ کوئی آک وغیرہ وغیرہ۔

میرے خیال میں تو اگر سب کے لیے سرخ شراب کی ایک بوتل منگوالی جائے تو بہتر ہے گا۔ صرف چار فرائک کی ہے۔ پال نے تجویز پیش کی۔

”محض کوئی اعتراض نہیں۔“ سنان کہنے لگا۔

باتی لوگوں نے بھی تائید کر دی۔

ایک نوجوان مصور سنان سے پیسے لے کر کاؤنٹر سے کافی کی ایک پیالی اور سرخ شراب کی بوتل خرید کر لے آیا۔ بوتل دیکھ کر جیسے پوری محفل میں جان پڑ گئی۔

ہو۔ ہر ایک چکنے لگا۔

”میں ابھی ابھی تمہارے مکان سے ہو کر آ رہا ہوں۔“ سنان نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جہاں کسی زمانے میں تمہارا مکان ہوا کرتا تھا۔

”ہاں۔“ پال ہنسنے لگا ”وہ تو دوسرے روز ہی سمار کرو دیا گیا تھا۔ اس روز مٹا سکرے کر بیڑھیوں پر تین تصویریں فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میری جیب

میں پورے پچیس فرائک تھے چنانچہ میں نے ان تمام حضرات کو۔۔۔ اس نے مصوروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔ جو کہ میرے نہایت عزیز دوست ہیں اسی تھوڑے خانے میں براہنڈی پلوائی۔۔۔

”ہمارا نام تو بد نام ہے۔۔۔ ایک لمبی ناک والے پستہ قد مصور نے اعتراض کیا ورنہ یہ پال تو ایک گھونٹ ہمیں پلاتا ہے اور بقیہ شراب کی بوتل خود غصتم کر جاتا ہے۔۔۔“

”بہر حال۔۔۔ پال نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔۔۔ براہنڈی ہمارے اندازے سے کچھ زیادہ ہی تیز نہیں اور ہم سب خاصے موڑ میں آگئے۔۔۔ اب کھانے کا مسئلہ درپیش تھا چنانچہ میں نے ان شرفا کو اپنے سوڑویوں میں ڈبل روٹی اور پنیر کا مشور طعام کھلانے کے لیے مدعو کر لیا۔۔۔“

پال ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ باقی مصوروں نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا۔۔۔ ان کی نہیں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پال کھتا چلا گیا۔۔۔ اب جو ہم رات کے دس بجے اس جگہ پہنچے ہیں جہاں میرا مکان واقع تھا۔۔۔ پال نے ہاتھ پھیلا کر خود بھی ہنسنا شروع کر دیا۔۔۔ ”تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔۔۔ کھنڈر!۔۔۔ اور تمہیں معلوم ہے سنان کہ یہ سب لوگ اس کھنڈر کو دیکھ رہے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہہ رہے کیونکہ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ اس نے آج شراب کچھ زیادہ ہی چڑھا رکھی ہے اس لیے مکان دکھائی نہیں دے رہا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت وہاں ایک سہ منزلہ عمارت کھڑی تھی اور اب وہاں کچھ بھی نہ ہو۔۔۔“

”پھر تم نے کیا کیا؟“ سنان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس ہم لوگ تقریباً دس منٹ بدھوؤں کی طرح اس کھنڈر کو تکتے رہے اور زبان سے کچھ نہ کہا۔۔۔ میں نے ہمت کر کے کہا کہ دوستو یا تو ہم غلط جگہ پر آگئے ہیں اور یا بھروسہ کم بخت عمارت یہاں سے غائب ہو گئی۔۔۔ ہمارے نشے کا اس میں قصور نہیں۔۔۔“

”وہ تمہاری بیوی کمال تھی اس وقت۔“

”میری بیوی!— ہاں لوئیں— وہ تو اسی رات جب ہم کھانے کے لئے باہر  
گئے تھے تو مجھ سے جھگڑ کر چلی گئی تھی۔ بل ادا کرنے کے بعد!— ہاں تو میں کہ  
رہا تھا کہ ہم وہاں پہنچوں کی طرح کھڑے تھے اور پھر اس گلی میں رہنے والی ایک بڑی  
لئے ہمیں بتایا کہ آج صبح بلدیہ والے آئے تھے اور تمام سامان باہر پھینک کر گمارت  
ڈھان گئے ہیں۔ کم بخت میرے رنگ کے ڈبے اور کیوس بھی اٹھا کر لے گئے۔“  
”ہاں ان کی تفصیل مجھے گھوڑوں کے گوشت کی دکان سے معلوم ہو چکی ہے۔“  
”گھوڑوں کے گوشت؟— مالک نے تم سے اور کچھ تو نہیں کہا؟“ پال نے گمراہ  
کر پوچھا۔

”بیس فرانس“ سنان نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں دوں گا“ پال نے انگلیاں نچائیں ”کم بخت کہتا ہے کہ آئرلینڈ کے فربہ  
گھوڑوں کا گوشت ہے حالانکہ ہوتے وہ فرانس کے عی ہیں۔ کھیتوں میں کام کر لے  
والے ناکارہ گھوڑوں کا گوشت!“ اس نے منہ بنا لیا۔

”آج کل کمال قیام ہے؟“ سنان نے پوچھا۔

”قیام؟ دریائے سین کے پلوں کے نیچے! سیکرے کر کی بیڑھیوں پر! پکال پارک  
مونیک اور اس قسم کی لاتitudinal شاندار جگہوں پر۔ جہاں شام ہوتی ہے وہیں سورتی  
ہوں۔ تھیں معلوم ہے آج کل پیرس کے آسمان پر ستارے بے حد چمکیلے ہو گئے  
ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو تم سناؤ پیرس پسند آیا؟“

”پسندیدگی تو نہایت عام ساجذبہ ہے۔“ سنان کو پاسکل کا خیال آگیا۔

”بہت خوب۔ میری ماں تو یہ سیاحت وغیرہ کا چکر چھوڑو۔ پیرس میں عیا۔“  
جاوہ اور عصوری شروع کر دو۔“

”برا خیال نہیں۔ لیکن میں آج شام ہسپانیہ جا رہا ہوں۔“

”بارسلونا کا پکا سو میوزیم ضرور دیکھنا۔“ لمبی تاک والے عصور نے لقمہ دیا۔

”پھر تو تمہیں ایک الداعی دعوت دینی چاہیے۔“ پال نے سر کھجا کر کما  
”مگر۔۔۔ آج کل مالی حالات کچھ۔۔۔“

”اس کی ضرورت نہیں! شکریہ!“ سنان اس کے خلوص سے متاثر ہو کر کہنے لگا  
”میں آج سارا دن بے حد معروف ہوں۔۔۔ میں تمارے مکان۔۔۔ جہاں تمہارا  
مکان تھا وہاں اس لیے گیا تھا کہ تمہیں خدا حافظ کہہ سکوں۔“ اس نے کافی کام آخری  
محونٹ بھرا اور اٹھ کر دیا ہوا ”بجھے الفوس ہے اس سے پہلے ملاقات نہ ہو سکی۔“  
پال اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔

”تم خوش قسمت ہو جو یہاں سے جا رہے ہو۔۔۔ پیرس ایک نشہ ہے۔ انسان اس  
کا عادی ہو جائے تو کہیں کامیں رہتا۔۔۔ میں نے بھی آئے دن کے فاقوں سے بیک آکر  
نیمکٹ کیا ہے کہ مصوری چھوڑ کر بڑھتی وغیرہ کا کام کیکھ لوں اور نیوزی لینڈ میں جا کر  
مستقل رہائش اختیار کروں۔“

”نیوزی لینڈ؟“ سنان چونکا ”نا ہے فضول“ کی جگہ ہے ”اے وہم سا ہو گیا کہ  
وہاں پال کی ملاقات جتنی سے ہو جائے گی اور اس بے چاری کا راز فاش ہو جائے گا۔  
”تو پھر کینہ نہ چلا جاؤں گا“ پال نے لاپرواہی سے کہا۔

”عمورہ جگہ ہے۔۔۔“ سنان نے ہاتھ آگے کر دیا ”اچھا دوست خدا حافظ“  
”مہوں وائج۔۔۔ سفر کے لیے نیک تمنائیں“ پال نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا  
”اور ہاں اگر تم آج رات پیرس سے جا رہے ہو تو تمہارا کمرہ تو خالی ہو گا۔“ اس نے  
رک کر پوچھا۔

”بالکل خالی ہو گا۔۔۔ مگر پال تمہارے پاس تو کرایہ۔۔۔“  
”اس کی فکر نہیں۔۔۔ میڈم ڈی کو کرائے کا نعم البدل مل جائے گا“ پال آنکھ مجھ  
کر مسکرا دیا۔

سنان قوہ خانے سے باہر لکھا اور تیزی سے سیکرے کر کی جانب چلنے لگا۔ ژام  
شیشن تک پہنچے پہنچے گیارہ نجع گئے۔ شیشن کے ساتھ فٹ پاٹھ پر ایک بوڑھا آدمی  
ایک گندے کپڑے پر چھوٹے چھوٹے مجتنے سجائے بیٹھا تھا۔  
سنان کھرا ہو کر دیکھنے لگا۔

مجتنے فنی اعتبار سے بے حد نیس بننے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر مشور  
اطالوی اور یونانی مجتمعوں کی نقل تھے۔ داؤد۔ مریم اور عیسیٰ کے مذہبی مجتمعوں کے  
ساتھ ساتھ یونانی دیوالا کے کرواروں۔ نو نیس اپالو ڈائنا وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے  
مجتنے بھی رکھے تھے۔

سنان کو سنک مرمر کا بنا ہوا وینس کا ایک مجسم پسند آگیا۔ لمبائی چھ انج کے  
قریب ہو گی۔

”پاسکل یقیناً اسے پسند کرے گی۔“ اس نے سوچا اور پندرہ فرماںک میں خوبی لیا۔  
بوڑھے نے ایک بھورے کاغذ میں مجسمہ لپیٹ کر اس کے حوالے دیا۔ اسی اثاثہ میں  
ژام بھی آگئی اور سنان اس میں سوار ہو گیا۔ پرسوں کے ناگوار تجربے کی وجہ سے ۱۰  
کمیں بیٹھنے کی بجائے دروازے میں ہی کھرا ہو گیا۔

نیولی کے پل پر اترنے ہی اسے خنکی کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر قبل کا چلکنا ہوا  
سورج او جحل ہو چکا تھا اور آسمان پر سرمئی بادل تیر رہے تھے۔ آج صبح موسم ایسا  
خونگوار تھا کہ وہ برساتی کرے میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس نے مجسمہ کوٹ کی اندر ولنا  
جب میں رکھا اور دونوں ہاتھ چلوں کی جیبوں میں ڈال کر تیزی سے پاسکل کے قبیٹ

کی جانب چلنا شروع کر دیا۔

مکان کے سامنے بیٹھ کر اس نے آہنی دروازے کھولا اور با غیبے میں داخل ہو گیا۔ اس کی نظریں غیر ارادتی طور پر دوسرا منزل پر اٹھ گئیں۔ کھڑکی کے آگے پڑا تھا اور پاسکل وہاں نہ تھی۔ وہ سیڑھیاں ملے کر کے قلیٹ کے دروازے تک آیا اور گھنٹی کے بین پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی بجھنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ نان کے کان قدموں کی چاپ پر لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گھنٹی دوبارہ بجائی مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ نان کے ماتھے پر پینے کے قطرے ابھرنے لگے۔ اس کے لیے یہ خیال ناقابل برداشت تھا کہ پاسکل قلیٹ میں موجود نہیں اور وہ روائی سے قبل اس سے مل نہ پائے گا۔ اس نے گھبراہٹ میں لگاتار گھنٹی بجانا شروع کر دی۔ خاصی دری بعد قلیٹ کے اندر قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ نان کے لبیں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پاسکل اس کے سامنے ایک سرخ رنگ کے بڑے تویے میں لپٹ لپٹائی منہ بنائے کھڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ تویے کی گردہ پر مضبوطی سے جما تھا اور دوسرا دروازے کے پینڈل پر تھا۔ پانی کی بوندیں اس کے چھوٹے چھوٹے بالوں میں سے رس رس کر دیز تویے میں جذب ہو رہی تھیں۔ بدن سے نچوڑنے والے پانی سے قالین کا وہ حصہ بھیگ چکا تھا جہاں وہ کھڑی تھی۔ ”میں نہ رہی تھی“ اس نے تویے کی گردہ پر رکھا ہاتھ فضا میں بلند کر کے غصے سے کہا۔

نان خاموش کردا مسکراتا رہا۔

”اس میں اس طرح پیو قوفوں کی طرح مسکانے کی کون سی بات ہے؟“ اس نے غلک کر کہا۔ تویہ کندھے سے ڈھلنے لگا۔

”اچھی لگ رہی ہو“ نان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

”میں صح نوبجے سے اچھی لگ رہی ہوں“ اس نے بے دھیانی میں کلائی کی طرف دیکھا جمال گھڑی کے سڑپ کا ہلکا سانشان تھا۔

”اگر وقت دیکھنا ہے تو۔“ نان نے اپنا بیان ہاتھ آگے کر دیا۔ ”میری گھڑی

دیکھو لو۔ بارہ نج رہے ہیں۔“

”بادو۔“ پاکل نے خٹے سے سر پہلایا۔ سر جھکنے سے اس کے بالوں میں پچھے ہوئے پانی کے قطرے سنان کے چہرے پر پڑے ”ہوں۔“ پھر؟“ ”پھر کیا؟“ سنان نے دونوں ہاتھ چپلوں کی جیبوں میں اُس کر لاپرواہی سے پوچھا۔

”اوہو۔“ پاکل نے اپنے لب ختنی سے بھینچ کر کہا ”آخر تم تین گھنٹے دری سے کیں آئے ہو؟“

”اوہ۔“ سنان نے ہتھی مٹھے پر جما کر بڑے اطمینان سے کہا ”اتھی ذرا سی بات پر۔“

”ذرا سی بات؟“ پاکل کی نیلی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس نے مٹھیاں بھینچ کر دونوں ہاتھ زور سے جھکلے۔ ”تم نے اگر ایک مرتبہ پھر اسی طرح زور سے ہاتھ جھکلے تو تو لیے کی گردھ کھل جائے گی اور۔“

پاکل نے جلدی سے دونوں ہاتھ تو لیے پر جما دیے اور سر اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا۔ سنان کو محسوس ہوا کہ اس کی نیلی آنکھیں بھیگ رہی تھیں مگر ان میں پانی کے قطرے نہ تھے۔

”بُس یونہی دری ہو گئی پاکل۔ رات دری سے سونے کی وجہ سے۔“ میں نے تمہیں پورے ساڑھے نوبجے تمہارے مکان کے سامنے آتا را تھا۔ دری سے کیسے سوئے؟“ پاکل نے اسے ٹک بھری نظریوں سے دیکھا۔

”بُس سو نہیں سکا۔“ سنان کے ذہن میں پچھلی شب کا جیسا ایک خواب گھونٹنے لگا۔ ”اور پھر آج صبح میں اپنے ایک مصور دوست پال سے ملنے چلا گیا۔“ میں نے سوچا۔ وہ کہتے کہتے رک گیا کہ میں نے سوچا اسے پیرس چھوڑنے سے پہلے آخری بار مل لوں لیکن وہ ابھی پاکل کو اپنی روائی کے بارے میں فہیں بتانا چاہتا تھا۔

”اور میں۔۔۔“ پا سکل کے لبجے میں ٹکایت تھی ”صحیح آٹھ بجے سے گیارہ بجے  
تک اپنی کمری میں بیٹھی تمہارا انتظار کرتی رہی۔۔۔ تم نہ آئے تو میرا دل گمراہ نہ  
ہے۔۔۔ چنانچہ صرف وقت گزارنے کے لئے میں نے۔۔۔“ اس نے تو لیے کا ایک کونہ  
نہ ہوتے ہوئے کہا۔۔۔ ”ویسے ٹھیل خانے میں جانے سے پہلے میں نے دروازے کی  
چھپی کھول دی تھی لگاتار گھمنٹی بجائے کی بجائے اگر تم ذرا سی عصی استعمال کرتے اور  
دروازے کو دھکلایتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ بند نہیں“

”اور اگر تم ذرا سی عصی استعمال کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ پچھلے پانچ منٹ سے  
میں باہر راہداری میں کڑا اکڑ رہا ہوں اور تم ٹھاٹھ سے وہاں قالین پر تو لیے میں لپٹی  
کھڑی ہو گئے اندر بلانے کا ارادہ نہیں کیا؟“

”اوہ“ وہ بے دھیانی میں گردہ پر جما ہاتھ ہونٹوں تک لے گئی۔۔۔ تو لیے کندھے سے  
ڈھلنے لگا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے پھر تھام لیا ”اندر آ جاؤنا!“  
”شکریہ“ سنان نے جھک کر کہا اور فلیٹ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اس  
لے اور ہر ادھر نگاہ دوڑائی۔۔۔

”حالہ نہیں ہیں“ پا سکل نے شاید اس کی بے چینی بھانپ لی تھی۔۔۔  
”بہت خوب“ اس نے تسلی سے ہاتھ ملے۔۔۔  
”آؤ“ پا سکل اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔۔۔  
کمرہ بالکل تاریک تھا۔۔۔ پا سکل نے آگے بڑھ کر کمری سے پرداہ ہٹا دیا۔۔۔ پورے  
کمرے میں روشنی پھیل گئی۔۔۔

”میں کپڑے پہن لوں؟“ پا سکل نے سنان کے قریب آ کر سرہلا کر بڑی مخصوصیت  
میں پوچھا۔۔۔

”نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ یونہی باہر جلے چلتے ہیں البتہ تو لیے کی گردہ کو  
میغبوطی سے تھامے رکھنا۔۔۔“  
”پلیز سنان“ پا سکل اس کے قریب آگئی اور گردن میں باہیں ڈال دیں ”ٹھیک نہ“

کو۔ اس نے اپنا چہرہ سنان کے کوٹ میں چھپا لیا۔ ”تک کو گے تو رو دوں گے۔“

پاسکل نے آہستہ سے اپنی معدنی ٹاک اس کے سینے پر رکھی۔

”پاسکل ذرا میری سفید ٹائی کو اپنے لہوں سے بچانا۔“

”کیوں؟“ اس نے سراخھا لیا۔

”سفید ٹائی پر سرخ لپ سنک نہایت آسانی سے لگ جاتی ہے۔“

”بہت خوب۔۔۔ میں نے کہا تھا نا ذرا سی عقل۔۔۔ بھئی نما کر آ ری

ہوں۔۔۔ لپ سنک تو دھل چکی۔۔۔“

شان شرمذنہ ہو گیا۔

”میں تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا تو میری سردی دور ہو جائے گی۔“ اس نے کوٹ کا بیٹن کھول کر اپنے ہاتھ اندر رکھ لیے۔ اس کے بھیکے ہوئے بال سنان کے لہوں کو چھوڑ رہے تھے اور تو لیے کی فنی کوٹ میں منتقل ہو رہی تھی۔

”اور اگر میں تھوڑی دیر اسی طرح کھڑا رہا تو مجھے نمونیہ ہو جائے گا۔“ سنان نے اس کے بالوں میں پھونک مار کر کہا۔

”یہ جیب میں کیا لیے پھر رہے ہو؟“ پاسکل نے اس کی اندر ورنی جیب ٹھلن۔

”اڑے! میں تو بھول ہی گیا تھا۔“ سنان نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے علیحدہ کیا اور پھر جیب میں سے بھورے کافنڈ میں لپٹا ہوا مجسہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ ”تمہارے لیے۔“

پاسکل نے وہیں کھڑے کھڑے کافنڈ میں لپٹے مجتنے کی جانب دیکھا اور پھر اپنی نٹا آنکھیں کھول کر بولی ”اس میں ہے کیا؟“

”خود ہی دیکھ لو۔“ سنان نے ہاتھ آگے کر دیا۔

پاسکل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی میز تک آئی۔ وہاں کھڑے ہو کر کچھ دیر مجتنے کو گھوڑا جیسے وہ کافنڈ میں لپٹی اس نامعلوم شے سے خوفزدہ ہو اور پھر اسے اٹھا کر کافنڈ کھول دیا۔

”ونیس ڈی ملتو“ اس کا چڑو صرفت سے دکھنے لگا۔

”تمہیں یہ مجسمہ پسند ہے؟؟“

پاکل نے جواب میں بچوں کی طرح بار بار سرہلاایا اور مجتنے کو کتابوں کے شیفت کے اوپر رکھ دیا ”شکریہ سنان“

سنان نے ہاتھ اوپر کر کے کندھے سکیرد دیے۔

”حن کی دبی و نیس خسل کے بعد سندھ سے نکلتی ہوئی۔۔۔ چھوٹے چھوٹے نم آکو بال۔۔۔ تناسب جسم پر سے ڈھلکتا ہوا البارہ۔۔۔“ سنان نے اپنی نظریں پاکل پر جادیں۔

”ہاں سنگ مرمر کا یہ مجسمہ بے حد خوبصورت ہے“ پاکل نے اپنی تازک الگیاں مجتنے کے خدوخال پر پھیلتے ہوئے کہا۔

”میں مجتنے کی نہیں بلکہ تمہاری بات کر رہا ہوں پاکل۔۔۔“ سنان نے مسکرا کر کہا۔ پاکل کے چرے پر حیا کی سرخی کھینچ لی گئی۔ ایک یورپی لڑکی کے لیے قابل شرم بات مگر ایک مشرقی لڑکی کی سب سے بڑی خوبی۔

”اچھا اب تو کچھ پہن لوں؟“ اس نے سنان کے بازو پکڑتے ہوئے کہا ”تم آج میرے لباس کا اختیار کو گے“

پاکل نے آگے بڑھ کر اپنی کپڑوں والی الماری کے پٹ کھول دیے۔ الماری میں درجنوں خوبصورت لباس لیک رہے تھے۔ ہر لباس ڈیزائن اور کاٹ کے لحاظ سے کیا تھا۔ یورپ میں لڑکیوں کی اکٹھیت ڈیپارٹمنٹل شورز سے اپنے لمبسوں خریدتی ہے۔ ان شورز میں ایک ہی رنگ اور ڈیزائن کے لاکھوں لباس لیک جاتے ہیں۔ اکثر اوقات کسی سینما ہال یا محفل میں متعدد لڑکیاں ایک ہی رنگ اور وضع قطع کا لباس پہن کر آجائی ہیں اور ایک لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہنگ ہو سکتی ہے کہ کسی دوسری لڑکی نے بھی بعینہ اس جیسا لباس پہن رکھا ہو۔ اس ناخوٹگوار صورت ہال سے نہنٹے کے لیے نیس ذوق رکھنے والی لڑکیاں یا تو چھوٹی چھوٹی فیشن کی دکانوں سے منگتے